بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ ربّ العالمین و الصلواۃ و السلام علی خاتم النبیین و آلہ و صحبہ و أھل طاعتہ اجمعین اما بعد!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ!

حق و باطل کا معرکہ تب سے ہے جب سے انسان معرضِ وجود میں آیا، حق کی اسی دعوت کے لئے انبیاء کرام کو مبعوث کیا گیا کہ ہر قسم کے باطل کا انکار کریں اور حق کی طرف دعوت دیں، کیونکہ جب تک باطل کا انکار نہ کیا جائے قبولیتِ حق ممکن نہیں، جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ لاانفصام لھا﴾ (سورۃ البقرۃ: 256) ''تو جو شخص طاغوت (شیطانیت) کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے ایسے مظبوط کڑے کو تھام لیا جو ٹوٹ نہیں سکتا'' یعنی انکارِ باطل اور قبولیت حق کے بعد دین کے قوی سبب کو لے لیا، خوب مظبوط اور مستحکم، انسان اور ایمان کے درمیان فاصلے کا خاتمہ باطل کے انکار ہی سے ممکن ہے، کیونکہ جب تک اس کے اندر بسے ہوئے باطل کے بت کو پاش پاش نہ کیا جائے حق اندر داخل نہیں ہوگا، باطل وہاں سے نکلے گا تو ہی حق اندر داخل ہوگا، بندے کو ایمان سے جوڑنے والی سب سے پہلی چیز نفی ہے، اس کے شرک سے، اس کی بدعت سے، اس کی برائی سے۔ اسی لئے تو ہے: ''لا الـــہ'' باطل کا انکار، یعنی کوئی معبود نہیں ہے، ''الا اللہ'' اب حق کی دعوت، یعنی اللہ کے سوا۔ اسی حق کی دعوت کو سن کر نوح علیہ السلام کی قوم کے سرداروں نے اپنی قوم کو تاکید کی تھی کہ ﴿لا تذرنّ آلھتکم ولا تذرنّ ودًّا ولا سواعًا ولا یغوث ویعوق ونسرا﴾ (سورۃ نوح: 23) ''اپنے خداؤں کو کبھی نہ چھوڑنا، نہ ودّ کو چھوڑنا نہ سواع کو، نہ یغوث کو، نہ یعوق کو اور نہ نسر کو'' یہ دلیل ہے اس بات کی کہ نوح علیہ السلام نے سب سے پہلے ان کے باطل معبودوں کی نفی کی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں گذرا جس میں آپ نے پہلے باطل کا انکار نہ کیا ہو، اسی لئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یا أیھا الناس قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا'' ''لوگوں لا الہ الا اللہ کا اقرار کرلو فلاح پا جاؤ گے، کامیاب ہو جاؤ گے''۔ (مسند أحمد: 15448) اہل عرب لغتِ قرآن سے واقف تھے، جانتے تھے کہ اس دعوت کا مطلب اپنے خود ساختہ معبودوں سے دست بردار ہو کر اپنی پیشانی ایک اللہ کے آگے جھکانا ہوگی۔ اسی لئے کئی مشرکین اپنی نفی نہ کر سکے اور حق کا انکار کر دیا۔

الحمدللہ! گذشتہ برس پیش کی جانے والی گذارشات جو ''شب برأت'' کے بارے میں قرآن و سنت اور عقل و فہم کے معیار پر پیش کی گئیں تھیں، وہ بہت سے دوستوں کی اصلاح کا ذریعہ بنیں۔ جہاں کئی دوستوں نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا وہیں کچھ دوستوں نے اپنی ناراضگی کا اظہار بھی کیا۔ اور اپنے گمان میں دلائل کے نام پہ کچھ تاویلات پیش کیں۔

گذشتہ برس انتہائی اختصار سے کام لیا گیا تھا لیکن اس دفعہ اللہ کی توفیق سے اس مسئلے کو تفصیلاً بیان کرنے کی کوشش کریں گے کہ ''شب برأت'' ہے کیا؟ اور یہ امید کریں گے اپنے ناراض دوستوں سے کہ وہ اعتدال کی راہ اپناتے ہوئے حق کا ساتھ دیں گے۔

شب برأت: معنیٰ و مفہوم:

''شب برأت'' کا نام ہی دراصل اس کے غیر شرعی ہونے کی دلیل ہے۔ بہت جستجو کے باوجود بھی ہمیں یہ نام کسی اور انداز سے یا

کسی اور زبان میں نہیں مل سکا۔ ''شب'' فارسی زبان میں رات کے لئے استعمال ہوتا ہے، جب کہ ''برأت'' خالص عربی زبان میں ہے، جس کے معنی ہیں: بے زاری، قطع تعلق، نجات، وغیرہ (مفردات القرآن، از مولانا عبدالرحمٰن کیلانی، صفحہ: 252)

اس کی مثال قرآن کریم میں بھی موجود ہے، فرمایا: ﴿براءۃ من اللہ ورسولہ الی الذین عٰھدتم من المشرکین﴾ (سورۃ التوبۃ: 1) ''اللہ اور اس کے رسول کی بے زاری کا اعلان ہے ان مشرکوں کے بارے میں جن سے تم نے عہد کیا تھا'' دیکھئے اس آیت میں برأت کا لفظ بے زاری کے معنوں میں آیا ہے بلکہ قرآن وسنت میں برأت کا لفظ اچھے معنوں میں آیا ہی نہیں۔ گویا یہ بات اب روشن ہوگئی کہ اس رات کو منانے کا انعقاد کسی سے بے زاری کے لئے کیا جاتا ہے۔ کس سے بے زاری؟ آگے تفصیل آرہی ہے۔

غور کیجئے کہ قرآن پورا عربی میں تمام احادیث عربی میں اور ''شب'' فارسی میں۔ لہٰذا ''شب'' ''برأت'' کے ساتھ مربوط ہو ہی نہیں سکتا۔ اپنے اسی باہمی ٹکراؤ کے سبب اس نام کا وجود قرآن وسنت میں ہونا ناممکن ہے۔

لفظ ''شب برأت'' کہاں سے آیا؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ نام آیا کہاں سے؟ محترم قارئین! تلاش وجستجو کے بعد یہ نام ہمیں اہلِ تشیع کی مشہور کتاب ''تحفۃ العوام'' میں ملا۔ آپ بھی ملاحظ کیجئے:

''پندرھویں شب جو ''شب برأت'' کے نام سے موسوم ومشہور ہے، بڑی مبارک رات ہے.....اور چونکہ اس شب کی بڑی فضیلت وعظمت یہ ہے کہ حضور امام الزماں، صاحب الامر (امامِ غائب) کی ولادت باسعادت اس شب کی صبح کو واقع ہوئی''
(تحفۃ العوام، صفحہ: 492)

عقدہ یہ کھلا کہ شیعہ حضرات اس رات اپنے بارہویں امام کی پیدائش مناتے ہیں۔ حالانکہ جب اس پیدائش کی حقیقت جاننے کے لئے شیعہ کتب کی ورق گردانی کی گئی تو متضاد باتیں سامنے آئیں اور یہ بات ثابت ہوئی کہ بارہویں امام کی پیدائش سرے سے ہوئی ہی نہیں۔ ملاحظ کیجئے۔ ایک جگہ لکھا ہے کہ:

''حضرت 15 شعبان 255ھ کو پیدا ہوئے'' اسی جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ ''یہ ولادت 256ھ میں ہوئی''
(اصولِ کافی، جلد: 3، صفحہ: 153)

یعقوب کلینی کی اصولِ کافی کا ان حضرات کے یہاں وہی مقام ہے جو اہل سنت والجماعت کے یہاں صحیح بخاری کا ہے۔ اور ہمارے پاس اصولِ کافی کا تحقیق شدہ نسخہ ہے، جس کا ترجمہ بھی انہی حضرات کا ہے۔ اس کتاب میں پیدائش کے دو مختلف سال بتائے گئے ہیں جو اس پیدائش کو مشکوک بنا رہے ہیں۔ ایک اور اختلافِ پیدائش ملاحظ کریں۔ بارہویں امام کے نام کے بارے میں لکھتے ہیں:

''راوی کہتا ہے اللہ نے ان (گیارہویں امام حسن عسکری) کو بیٹا دیا جس کا نام انہوں نے م۔ح۔م۔د۔ رکھا''
(اصولِ کافی، جلد: 3، صفحہ: 153)

یہاں پتہ چلتا ہے کہ ان کے بارہویں امام کا نام ''م۔ح۔م۔د'' یعنی محمد ہے۔ اسی جلد کے اگلے صفحات میں یہ تضاد بھی ہے:

''اس کے بعد میں گواہی دیتا ہوں اس شخص کے حجت خدا ہونے کی جو پسر حسن بن علی ہے اس کا نام اور کنیت ظاہر نہ ہوگی جب تک کہ وہ زمین کو عدل و داد سے اسی طرح پُر نہ کر دے گا جیسا کہ وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی''

(اصولِ کافی، جلد:3، صفحہ:178)

پچھلی روایت میں کہا کہ اس کا نام ''محمد'' ہے اور اس روایت میں کہا کہ ''اس کا نام اور کنیت ظاہر نہ ہوگی''۔ یہ متضاد بیانات بھی اس پیدائش کو مشکوک بنا رہے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اسی جلد میں کھلے الفاظ میں ان کی پیدائش کا انکار بھی کیا گیا ہے:

''حسن بن عیسیٰ نے جس کی کنیت ابو محمد ہے بیان کیا کہ جب امام حسن عسکری کا انتقال ہوا تو مصر کا ایک شخص کچھ مال لے کر مکہ آیا تا کہ ناحیہ مقدسہ پہنچا دے، لوگوں نے یہاں یہ اختلاف کیا، بعض نے کہا امام حسن عسکری لاولد مرے ان کے جانشین جعفر ہیں''

(اصولِ کافی، جلد:3، صفحہ:171)

گویا یہ بات پایہ تکمیل کو پہنچی کہ جس بارہویں امام کی پیدائش ''شب برأت'' میں منائی جاتی ہے وہ کبھی پیدا ہی نہیں ہوئے۔ اصول کافی کا حوالہ اس لئے پیش کیا گیا ہے کہ اس کا ترجمہ بھی انہی حضرات نے کیا ہے ورگرنہ اس پیدائش کا نہ ہونا ان کی دیگر کتب سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ حوالہ جات: (شیخ مفید کی ''الارشاد'' صفحہ:340-339۔ اربلی کی ''کشف الغمہ'' صفحہ:409-408۔ ملا باقر مجلسی کی ''جلاء العیون'' جلد:2، صفحہ:762۔ طبرسی کی ''اعلام الوریٰ'' صفحہ:378-377)

اس کے باوجود ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اسی رات ان کے بارہویں امام کا ظہور ہوگا اور اسی رات یہ لوگ اس سے دعا بھی کرتے ہیں اور اسے مدد کے لئے بھی پکارتے ہیں۔ ''تحفۃ العوام'' میں لکھا ہے:

''اس لئے سنت ہے کہ اس شب میں یہ دعا پڑھی جائے جو بمنزلہ حضرت کی زیارت کے ہے۔ (آگے ایک طویل دعا لکھی ہے جس کے آخر کے الفاظ قابلِ غور ہیں، اور وہ یہ ہیں)..... و العن جمیع الظالمین.. '' ''اور تمام ظالموں پر لعنت فرما''

(تحفۃ العوام، صفحہ:493-492)

اب توجہ طلب بات یہ ہے کہ یہاں ظالم سے مراد کیا ہے؟ اس کی وضاحت اس کتاب میں نہیں ہے۔ لیکن اصولِ کافی میں موجود ہے۔ ظالم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''الظالم لنفسه الذی لا یعرف الامام'' ''اپنی جان کے لئے ظالم وہ ہے جو امام کو نہیں جانتا''

(اصولِ کافی، جلد:2، صفحہ:100)

مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ شیعہ نہیں ہیں وہ ظالم ہیں اور ہر سال شب برأت کے موقع پر یہ ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اور یہی نہیں باقاعدہ مسلمانوں کے لئے بددعا بھی کرتے ہیں جسے انہوں نے ''عریضہ حاجت'' کا نام دیا ہے۔ اسی عریضہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''زعفران سے عریضہ کے درمیان میں اپنی حاجات لکھ کر نیچے اپنا نام لکھے اور خوشبو یعنی عطر لگا کر آٹے یا پاک مٹی میں رکھ کر دریا یا نہر یا گہرے کنویں میں علی الصبح (شب برأت کی صبح) ڈالے''

(تحفۃ العوام،صفحہ:495)

جو دوست شب برأت کے موقع پر اس طرح کی بددعا اور لعن طعن کرتے ہیں ان کی خدمت میں عرض ہے کہ آپ کے امام جعفر صادق فرماتے ہیں: ”انّ العبد لیکون مظلوماً فما یزال یدعو حتیّ یکون ظالماً“

”ایک بندہ مظلوم ہو کر جب ظالم کے لئے ہمیشہ بددعا ہی کرتا رہتا ہے اور اس میں حد سے تجاوز کر جاتا ہے تو خود ظالم بن جاتا ہے“

(اصولِ کافی،جلد:4،صفحہ:307)

لہٰذا ثابت ہوا کہ ”شب برأت“ یعنی بے زاری والی رات کی کوئی شرعی حیثیت نہیں بلکہ ایک مخصوص گروہ کی سازش کا نتیجہ ہے۔کیا ہم اس سازش کا شکار ہو کر اپنے ہی خلاف کی جانے والی بددعا اور بے زاری میں ان کا ساتھ دیں گے؟ فیصلہ آپ خود کریں!

اپنی شناخت برقرار رکھیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ”من تشبّہ بقوم فھو منھم“ ”جو شخص کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے گا (یعنی ان ہی جیسا بننے کی کوشش کرے گا) وہ انہی میں سے ہے“ (سنن ابی داؤد : 3512)

شب برأت اور دیگر امور:

اس کے علاوہ اور بھی کئی نظریات 15 شعبان سے منسوب کیے جاتے ہیں جو بلا دلیل ہیں۔مثلاً: کہا جاتا ہے کہ قرآن کریم شعبان میں نازل ہوا۔حالانکہ قرآن کریم میں نزولِ قرآن کے بارے میں واضح آیت موجود ہے۔فرمایا:

﴿شھر رمضان الّذی أنزل فیه القرآن﴾ (سورۃ البقرۃ:185)

”رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا“

15 شعبان میں حلوہ بنانا اور اسے لوگوں میں تقسیم کرنے کا رواج بھی روا رکھا جاتا ہے کہ غزوۂ اُحد میں رسول اللہ ﷺ کا دندانِ مبارک شہید ہوا تھا اور آپ ﷺ نے حلوہ بنوا کر کھایا تھا۔

اس نظریہ کے باطل ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ غزوۂ اُحد شعبان میں نہیں بلکہ شوال کے مہینے میں ہوا تھا،آپ ﷺ کے دندان مبارک بھی اسی شوال کے مہینے میں شہید ہوئے تھے۔اور شوال کا مہینہ رمضان کے مہینے کے بعد آتا ہے رمضان سے پہلے نہیں۔ جہاں تک حلوے کا تعلق ہے تو وہ آپ روز بنائیں روز کھائیں،اس کے لئے کوئی دن یا رات مخصوص کرنا بدعت ہے۔

ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ 15 شعبان کو مسلمان مُردوں کی عید ہوتی ہے اور ان کی روحیں اپنے گھروں پر آتی ہیں۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر ایسی کوئی عید اسلام میں ہے تو اس کی کوئی دلیل تو ہوگی؟ اگر ہے تو کہاں ہے؟ اگر نہیں ہے تو یہ عید بدعت کیوں نہیں ہے؟ کیا ایسی کوئی عید نبی ﷺ یا آپ ﷺ کے صحابہ نے منائی ہے؟ کیا مرنے کے بعد روح اپنی مرضی سے کہیں آ، جا سکتی ہے؟ نہ تو ایسی کسی عید شریعت سے ثابت ہے اور نہ ہی روح اپنی مرضی سے آ، جا سکتی ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ألم یروا کم أھلکنا قبلھم من القرون أنّھم الیھم لا یرجعون﴾ (سورۃ یٰسٓ: 31)

”کیا انہوں نے دیکھا نہیں کے اُن سے پہلے ہم کتنوں کو ہلاک کر چکے ہیں ہر اب وہ لوٹ کر ان کی طرف نہیں آئیں گے“

رسول اللہ ﷺ کا بقیع قبرستان جانا، صحیح حدیث:

15 شعبان کی رات کو قبرستان جانے کا اہتمام بھی رواج پا گیا ہے، جس پر کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے کوئی دلیل موجود نہیں۔ جس حدیث کو بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے وہ پیش خدمت ہے، جس میں نبی کریم ﷺ کا بقیع قبرستان میں جانے اور فوت شدگان کے لئے استغفار کا ذکر تو موجود ہے لیکن پندرہویں شعبان کی رات کا ذکر نہیں:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس حدیث کو بیان کرتی ہیں اور بقیع قبرستان کی طرف اپنا اور رسول اللہ ﷺ کے جانے اور وہاں سے واپس آنے کا احوال بیان کرتی ہیں جو کہ مشہور و معروف ہے اس حدیث کے آخر میں فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "انی بعثت الی أهل البقیع لأصلّی علیهم"

"مجھے بقیع والوں کی طرف بھیجا گیا تھا تا کہ میں ان کے لئے دعا مانگوں"

(صحیح مسلم:1619 - موطأ امام مالک:576)

اس واقعے کا شعبان سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ یہ واقعہ شعبان میں نہیں بلکہ یہ واقعہ آپ ﷺ کی وفات سے چند روز پہلے پیش آیا۔

سیدنا ابو مویہبہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مجھے اپنے ساتھ لے گئے تا کہ اہل بقیع کے لئے دعاۓ استغفار کریں۔ پھر جب آپ ﷺ قبروں کے پاس کھڑے ہوئے تو دعا کی: "اے قبر والو! تم پر سلام ہو۔۔۔ پھر آپ ﷺ نے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا: مجھے دنیا کے خزانے، دنیا میں ہیشگی اور پھر جنت دی گئی ہے، میں نے دنیا کے بدلے رب کی ملاقات اور جنت کو اختیار کر لیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے بقیع والوں کے لئے دعاۓ مغفرت کی اور واپس تشریف لے آئے (اس کے بعد ابو مویہبہ نے کہا: "فبدیء رسول اللہ ﷺ فی وجعه الذی قضاه اللہ عزّ وجلّ فیه حین أصبح"

"اسی رات کی صبح سے آپ ﷺ کی وہ بیماری شروع ہو گئی جس میں آپ ﷺ نے وفات پائی"

(مسند أحمد: 15425، شرح البخار لابن بطال، جلد:5، صفحه:567)

گویا یہ واقعہ آپ ﷺ کی وفات سے چند روز پہلے رونما ہوا، یعنی 'صفر' میں۔ لہذا اس واقعے کو شعبان کے مہینے سے منسوب کرنا درست نہیں۔ بقیع قبرستان جانے کا واقعہ صفر کے مہینے میں پیش آیا، اسی بات کو مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے "سیرۃ المصطفی ﷺ" جلد نمبر:3، صفحہ نمبر:157 میں اور مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری نے "الرحیق المختوم" صفحہ نمبر:626-625 میں اختیار کیا ہے۔

15 شعبان کی نسبت سے بقیع قبرستان والی ضعیف احادیث:

وہ احادیث جو عام طور پر عوام الناس کے سامنے بیان کی جاتی ہیں، جن میں 15 شعبان کی فضیلت کا ذکر ہے، یہ تمام احادیث تحقیقی نقطہ نظر سے ضعیف ہیں اور ضعیف حدیث سے کسی بھی طرح حجت قائم نہیں ہوتی اور نہ ہی ضعیف حدیث کو دلیل کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"من یقل علیّ مالم أقل فلیتبوأ مقعده من النار" (صحیح البخاری: 106)

''جو شخص میری طرف ایسی بات کی نسبت کرے جو میں نے نہیں کہی ہے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے''۔

ان ضعیف احادیث کا تحقیقی جائزہ اختصار کے ساتھ پیش خدمت ہے۔

1- ''عن عائشة قالت فقدت رسول الله ﷺ ليلة فخرجت فاذاهو بالبقيع فقال أكنت تخافين أن يحيف الله عليك ورسوله؟ قلت يارسول الله انّي ظننت أنّك أتيت بعض نسائك، فقال: انّ الله تبارك وتعالىٰ ينزل ليلة النّصف من شعبان الى سمآء الدّنيا فيغفر لأكثر من عدد شعر غنم كلب''

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک رات میں نے نبی ﷺ کو نہیں پایا، چنانچہ میں گھر سے نکلی تو آپ ﷺ بقیع قبرستان میں تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں خوف لاحق ہوگیا تھا کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم کریں گے، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے خیال کیا کہ آپ ﷺ اپنی کسی بیوی کے گھر گئے ہیں۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہ تاریخ کو آسمان دنیا کی طرف اترتے ہیں اور کلب قبیلہ کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ گناہ معاف فرماتے ہیں''

یہ حدیث جامع الترمذی میں حدیث نمبر: 670 میں مروی ہے۔

اس کی سند یہ ہے: امام ترمذی فرماتے ہیں: ہم سے احمد بن منیع نے بیان کیا، ان سے یزید بن ہارون نے، ان سے حجاج بن ارطاۃ نے، ان سے یحیٰی بن ابی کثیر نے ان سے عروہ نے، اور یہ سیدہ عائشہ سے بیان کرتے ہیں۔

تحقیق: امام ترمذی اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد اسی حدیث کے تحت فرماتے ہیں: یہ حدیث حجاج بن ارطاۃ سے مروی ہے اور میں نے امام بخاری سے سنا کہ وہ اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے تھے۔ نیز انہوں نے بیان کیا کہ اس حدیث میں یحیٰی بن ابی کثیر کا عروۃ سے اور حجاج بن ارطاۃ کا یحیٰی بن ابی کثیر سے سماع ثابت نہیں (یعنی یحیٰی بن ابی کثیر کہتے ہیں کہ میں نے عروۃ سے سنا، حالانکہ یحیٰی کا عروۃ سے سننا ثابت نہیں، اسی طرح حجاج بن ارطاۃ کا یحیٰی بن ابی کثیر سے سننا ثابت نہیں)۔

گویا اس حدیث کی سند میں دو مقام پر انقطاع ہے۔ لہٰذا یہ حدیث سخت ضعیف ہے اس سے حجت پکڑنا جائز نہیں۔

یہی حدیث مختلف طرق کے ساتھ سنن ابن ماجه: 1379-مسند احمد: 24825- اخبار مكة للفاكهي :1775- الابانة الكبرىٰ لابن بطة: 2566 - شعب الايمان للبيهقي: 3665-3666-3667 - مسند عبد بن حميد: 1514.

ان تمام کتب میں اس حدیث کی سند میں حجاج بن ارطاۃ، یحیٰی بن ابی کثیر اور عروۃ موجود ہیں، اور ان کا ایک دوسرے سے حدیث کا سننا ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا یہ حدیث اپنی سند کے منقطع ہونے کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

2- ''عن علي بن ابي طالب رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: اذا كانت ليلة النّصف من شعبان فقوموا ليلها وصوموا نهارها فانّ الله ينزل فيها لغروب الشّمس الى سماء الدنيا فيقول: ألا من مستغفر لي فأغفر له، ألا مسترزق فأرزقه، ألا مبتلًى فأعافيه، ألا كذا ألا كذا حتى يطلع الفجر''

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب نصف شعبان کی رات ہو تو اس رات کو عبادت کرو اور اس

کے دن کا روزہ رکھو، اس لئے کہ سورج غروب ہوتے ہی اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں: کوئی ہے جو مجھ سے بخشش چاہتا ہو مجھ سے، میں اس کو بخش دوں، کوئی ہے جو روزی مانگتا ہو مجھ سے، میں اس کو روزی دوں، کوئی بیمار ہے، میں اسے شفاء عطاء کر دوں، کوئی ایسا ہے، کوئی ایسا ہے۔ یہی فرماتا رہتا ہے یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے"

یہ حدیث سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر: 1378 میں مروی ہے۔

امام ابن ماجہ فرماتے ہیں کہ ہم سے الحسن بن علی الخلال نے بیان کیا، ان سے عبدالرزاق نے، ان سے ابن ابی سبرۃ نے، ان سے ابراھیم بن محمد نے، ان سے معاویہ بن عبداللہ بن جعفر نے، اور یہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور یہ علی بن ابی طالب سے۔

اس حدیث کی سند میں ابن ابی سبرۃ ضعیف راوی ہے۔ صالح بن محمد اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ ابن ابی سبرۃ حدیث گھڑا کرتا تھا۔ ابن معین کہتے ہیں: اس کی حدیث کوئی چیز نہیں ہے، یہ حدیث میں ضعیف ہے۔ ابن المدینی کہتے ہیں: یہ حدیث میں ضعیف تھا۔ مرۃ کہتے ہیں: منکر حدیث تھا۔ جوزجانی کہتے ہیں: اس کی حدیث میں ضعف ہے۔ امام بخاری اسے ضعیف کہتے ہیں۔ امام نسائی کہتے ہیں: متروک الحدیث تھا۔ (ابن ابی سبرۃ پر محدثین نے بہت جرح کی ہے)۔

(تهذیب التهذیب، جلد: 12، صفحه: 26-25)

لہٰذا یہ حدیث ابن ابی سبرۃ پر شدید جرح، (جو اس کے ضعف پر کی گئی ہے) کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اس حدیث سے حجت پکڑنا جائز نہیں۔

3۔ سیدنا ابوبکر، سیدنا ابوثعلبہ خشنی، سیدنا ابوھریرہ، سیدنا ابوموسیٰ اشعری، سیدنا علی سے مختلف اسانید سے مروی ہے کہ:

"يطلع الله تبارك وتعالىٰ الى خلقه ليلة النصف من شعبان فيغفر لجميع خلقه، الا مشرك او مشاحن"

''شعبان کی پندرھویں رات کو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے، پھر مشرک اور (مسلمان) سے دشمنی، بغض رکھنے والے کے سوا اپنی تمام (مسلمان) مخلوق کو بخشش دیتا ہے''۔

یہ حدیث اپنے تمام طرق میں ضعیف اور منکر ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھیں: (العلل المتناهية في الأخبار الواهية، جلد: 2، صفحه: 77-72)

اور اس حدیث کی حقیقت یہ ہے کہ یہ دراصل حدیث رسول ﷺ ہے ہی نہیں۔ امام مکحول فرماتے ہیں: "أنّ الله يطلع على أهل الأرض في النصف من شعبان فيغفر لهم الا لرجلين الا كافر او مشاحن" ''پندرہ شعبان کو اللہ تعالیٰ زمین والوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں پھر وہ کافر اور ایک دوسرے سے دشمنی رکھنے والے کے سوا سب لوگوں کو بخش دیتے ہیں''

(شعب الایمان للبیهقی، جلد: 8، صفحه: 349)

معلوم ہوا کہ حدیث نہیں بلکہ امام مکحول کا قول ہے اور مکحول کے قول کو ضعیف و مجہول راویوں نے مرفوع حدیث کے طور پر بیان کیا ہے۔ مکحول کے قول کو مرفوع حدیث بنا دینا صحیح نہیں ہے اور اگر بنا دیا جائے تو مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا پر نزول فرماتے ھیں:

ان تمام حدیثوں کے ضعیف وموضوع ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر ہر رات کے آخری پہر میں نزول فرماتے ہیں۔جیسا کہ صحیح حدیث سے ایسا ثابت ہے:

''سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''ینزل ربنا تبارک وتعالیٰ کلّ لیلة الی السماء الدّنیا حین یبقیٰ ثلث اللیل الآخر، فیقول: من یدعونی فأستجیب له، ومن یسألنی فأعطیه ومن یستغفرنی فأغفر له''.

''ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات کے آخری پہر میں آسمانِ دنیا پر نازل ہوتا ہے اور فرماتا ہے: کون ہے جو مجھ سے دعا مانگے تا کہ میں اس کی دعا قبول کروں، کون ہے جو مجھ سے مانگے تا کہ میں اسے دے دوں، کون ہے جو مجھ سے گناہ معاف کروائے تا کہ میں اس کے گناہ معاف کر دوں''

(موطأ امام مالک: 447 - صحیح البخاری: 5846، 1077،6940 - صحیح مسلم: 1261 - سنن الترمذی: 3420 - مسند أحمد: 9922,10140,16145 - السنن الکبریٰ للنسائی: 7768)

15 شعبان والی کوئی روایت بھی رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے ثابت نہیں، جیسا کہ بحمد للہ تعالیٰ اوپر ثابت کیا گیا ہے۔شب برأت کے نام پر اغیار کی نقالی کرنا اور 15 شعبان کے حوالے سے من گھڑت قصے بیان کرنا بدعت ہونے کی وجہ سے باعث گناہ ہے۔اس کا انکار لازم ہے۔صرف اس لئے اس بدعت کو اختیار کرنا کہ ہمارے اکابر نے ایسا کیا، کوئی انصاف کی بات نہیں۔ اکابر اگر قرآن وسنت کی طرف رہنمائی کریں تو وہ اکابرِ صالحین کہلاتے ہیں۔ورنہ قرآن کریم میں اکابر کا لفظ مجرموں کے لئے بھی آیا ہے:

﴿وکذالک جعلنا فی کلّ قریة أکابر مجرمیھالیمکروا فیھا وما یمکرون الا بأنفسھم وما یشعرون﴾

(سورۃ الأنعام: 123) ''اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں اس کے اکابر مجرموں کو لگا دیا ہے کہ وہ اس بستی میں مکر وفریب کرتے ہیں، پھر وہ خود ہی اس مکر وفریب میں پھنس جاتے ہیں مگر سمجھتے نہیں''

اے کاش! کہ ہم سمجھ جائیں، کہ ہم کس فریب کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔سچائی سے کیوں اپنا دامن بچانا چاہتے ہیں؟ کیا ہم اللہ کی رضا وخوشنودی کے لئے اس بدعت کو چھوڑ نہیں سکتے؟

آیئے! سچ کا ساتھ دیجئے، سچ کتنا ہی کٹھن کیوں نہ ہو اختیار کر لیجئے آسان ہو جائے گا۔جھوٹ کتنا ہی دلکش کیوں نہ ہو، ترک کر دیجئے سمٹ جائے گا۔اپنے پروردگار کا خوف دل میں رکھئے، لوگوں کی سمٹتی اور پھیلتی پیشانیوں کی طرف مت دیکھئے۔لوگوں کا ڈر کیوں ہے؟ اللہ کا خوف اگر دل میں ہو تو ہر خوف سے بے خوف کر دیتا ہے، اور بندہ بے اختیار کہہ اٹھتا ہے:

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی ۔۔۔۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

والسلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

محمد آصف